DARYAFT: ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 15, Issue 02,(Dec 2023): DOI #https://doi.org/10.52015/daryaft.v15i02.374

ڈاکٹر قندیل بدر

صدرِ شعبہ اردو، سردار بہادر خان وومنز یونیورسٹی بلوچستان، کوئٹہ

بلوچستان میں اردو غزل کی ابتدائی و مشقی صورتیں

Dr. Qandeel Bader
Chairperson Urdu Department, SBK women's University Baluchistan Quetta

Urdu Ghazal's Initial and practiced forms in Baluchistan

ABSTRACT

In Baluchistan, the inception of Urdu poetry was delayed compared to other major literary centers of Urdu. There are several important reasons for this, which, along with the unfamiliarity of this remote region with Urdu as a language, the unavailability of chronological links from a research point of view bears specific importance. According to the known facts, the first voice of Urdu poetry was Mulla Muhammad Hassan Brahui; even after him, this region's poetic journey seems to have been divided into large time gaps. This paper presents an analytical study of Urdu Ghazal, which was created in Baluchistan until the establishment of Pakistan. These initial relics of Urdu Ghazal in Baluchistan are not more than practiced forms, so they mostly fail to present a high specimen of creativity. However, under the influence of this poetic capital, this tradition of Urdu Ghazal got strengthened here in Baluchistan, and afterward, through this route, high and unique features of Urdu Ghazal appeared here, which can be proudly compared to the overall Urdu Ghazal.

Keywords: *cultural materialism, Infrastructure, sociocultural, physical environment, comprehensive.*

بلوچستان تاریخی طور پر ہی منفرد خطہ نہیں بل کہ اپنی تمام تر حیثیتوں میں کئی ایسے اختصاصی پہلو رکھتا ہے جو اسے جداگانہ حیثیت عطا کرتے ہیں۔ اردو غزل کے حوالے سے بلوچستان کی ادبی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اس کی ابتدا ایک ایسے تناظر میں ہوتی نظر آتی ہے جہاں مجموعی ادب نشاۃ الثانیہ سے دوچار نظر آتا ہے۔ ایک صدیوں پرانی تہذیب منہدم ہوتی دکھائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ایک نئی تہذیب کی تعمیر کے آثار نمودار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی سنگم پر اردو غزل کو ایک ایسی آواز ملتی ہے جو ایک طرف تو مٹتی ہوئی تہذیب کے جوہر کو سمیٹ لیتی ہے تو دوسری طرف ان امکانات کو بھی اپنے تخلیقی عمل میں اس طرح جذب کر لیتی ہے کہ غزل کا سانچہ اپنے نکتۂ تکمیل

Received: 28th Aug, 2023 | Accepted: 1st Dec, 2023 | Available Online: 30th Dec,2023

DARYAFT, Department of Urdu Language & Literature, NUML, Islamabad.
***This work** is licensed under a* **Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)**

پر پہنچنے کا احساس دلانے لگتا ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے غزل نے صدیوں کا سفر اسی مقام تک رسائی کے لیے اختیار کیا ہو اور یہ گمان بھی گزرتا ہے کہ شاید صدیوں تک غزل اپنی ان وسعتوں میں کوئی اضافہ بھی نہ کر پائے گی۔غزل کو یہ مقام دینے والی آواز غالب کی ہے۔یہی وہ زمانہ ہے جہاں ہمیں بلوچستان سے اردو غزل طلوع ہوتی نظر آتی ہے۔اس کے باوجود کہ یہ وقت بلوچستان میں ان نزاکتوں کا حامل نہیں جس سے مجموعی طور پر برصغیر دوچار نظر آتا ہے۔مگر یہاں سے ابھرنے والی غزل کی پہلی آواز یہ باور کراتی ہے کہ بلوچستان کی ادبی فضا میں کسی بڑی تبدیلی سے دوچار ہونے کے پرزور امکانات ضرور موجود ہیں۔

بلوچستان سے ابھرنے والی غزل کی یہ پہلی آواز[1] ملا محمد حسن براہوی (وفات: ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء) کی ہے۔یہ آواز اتنی توانا ضرور ہے کہ اس سے قبل یا اس عہد میں بلوچستان میں اردو شاعری کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم تاحال یہ حقائق منظرِ عام پر نہیں آسکے۔ان کی غزل بلوچستان میں اردو غزل کا اولین دور کہلانے کی مستحق ہے کیوں کہ اس سے قبل یا معاصر دور میں اردو غزل کی جو بھی صورت حال رہی ہو گی، اسے جاننے اور جانچنے کا کوئی پیمانہ ان کی غزل کے سوائے دست یاب نہیں۔ان کی غزل، اردو غزل کی مجموعی تاریخ کے ایک وسیع دورانیے کا احاطہ کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔اس غزل کا بہ غور مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ولی دکنی سے غالب تک کے بہت سے اثرات اس غزل نے قبول کیے ہیں۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر لکھتے ہیں:

> "ملا محمد حسن کے کلام کا انداز اردو کے پہلے باقاعدہ شاعر ولی دکنی سے ملتا جلتا ہے۔ان دونوں کے مضامین میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ولی کی وہ خوبی جو حاصلِ کلام ہے، وصف بت پرستی اور سراپا نگاری سے عبارت ہے۔نقاد اسے جمال پرستی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور جمال محدود نہیں ہے۔ ملا محمد حسن ایک اچھے سراپا نگار ہیں۔وہ محبوب کی رفتار و گفتار و کردار کا ایسا دلربا نقشہ کھینچتے ہیں کہ وہ اور ولی دکنی ایک ہی کشتی کے سوار معلوم ہوتے ہیں۔"[۲]

ملا محمد حسن کی غزل کی لسانی فضا کا مطالعہ کیا جائے تو فارسی غزل اثرات بہ آسانی نشان زد کیے جا سکتے ہیں نیز اس غزل نے مضامین، استعارات، زمین ہائے شعر اور مرکبات کی تخلیق میں اردو شعری روایت سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔اس کے باوجود کہ یہ استفادہ اردو غزل کے جملہ امکانات کو تو نہیں سمیٹ سکا لیکن اتنا ضرور ہے کہ بلوچستان میں ملا براہوی نے غزل کی ایک مستحکم بنیاد ضرور رکھی ہے۔یہ بنیاد اس لیے بھی مستحکم قرار دیے جانے کی مستحق ہے کیوں کہ انہوں نے غزل کے مزاج کو پوری طرح گرفت میں لیا ہے۔حسن و عشق کے مابین کی معاملہ بندی سے لے کر روحانی واردات تک کی تمام منازل ان کی شاعری میں مشاہدہ کی جا سکتی ہیں۔ڈاکٹر فاروق احمد تحریر کرتے ہیں:

> "ملا محمد حسن براہوی حسن پرست اور جمال دوست شاعر تھے۔اس لیے ان کا جمالیاتی ادراک از خود ایسی تصویریں منعکس کرتا تھا جس میں ایک طرف محبوب کا سراپا اپنی تمام رنگینوں میں سمٹ کر آتا تھا تو دوسری طرف اس جمالیات کے پس منظر میں وحدت ربانی کے اظہار کی حمد و ثنا موجود ہوتی تھی لیکن خالق عالم کی یہ ثنائی اور تعریف کسی اور رجحان کی صورت میں ہمیں نہیں ملتی۔وہ حسن محبوب کے پردے میں زندگی کی لطافتوں اور جمالیات کی براہ راست عکاسی کرتے

رہے۔ لیکن اس احساس حسن کے پیچھے ان کا وہ کائناتی شعور موجود تھا جس میں ذات باری تعالیٰ کے اظہار جمال کی حمد و ثنا ملتی ہے۔"(۳)

یہ بات صرف یہیں تک محدود نہیں۔ ملا براہوی ایک غیر معمولی تخلیقی استعداد کے غزل گو تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی شاعری کو اپنے عصر کا ترجمان بھی بنایا اور ایک ایسا فکری نظام بھی اپنی شاعری میں پیش کرنے کی کوشش کی جسے انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا آئیڈیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ غور کیا جائے تو یہی وظیفہ غالب نے مجموعی اردو غزل کے تناظر میں تخلیقیت کی بلند ترین سطح پر سرانجام دیا تھا۔ مگر یہ نہ بھولنا چاہیے کہ غالب کے سامنے استفادے کی زمین، ان سے بہت کشادہ اور وسیع تھی۔

یہاں غالب سے ملا براہوی کا تقابل مقصود نہیں بل کہ یہ حقیقت ظاہر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ایک زمانے میں دو تخلیقی اذہان غزل کو روایت کی موجودگی میں اور غیر موجودگی میں کس طرح اپنا رہے تھے اور غزل میں تخلیقی اظہار کو سمونے کی کیا کیا گنجائشیں پیدا کر رہے تھے۔ غالب کا حصہ ان کے تقابل ہی میں نہیں بل کہ پوری اردو غزل کے تناظر میں غیر معمولی ہے۔ تاہم انہوں نے بلوچستان میں اردو غزل کو وہ ابتدا ضرور فراہم کی ہے جس نے صدی بھر کی قلیل مدت میں بلوچستان کی غزل کو مجموعی اردو غزل کے مقابل کھڑا کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اردو غزل بنیادی طور پر صرف ایک ہیئت کا نام نہیں بل کہ یہ ایک مخصوص مزاج کے شعری اظہار کی حامل صنف ہے جس کے حصول میں غالب تک کے تخلیقی اذہان نے اپنی تمام تر تخلیقی جواہر کو صرف کیا ہے۔ ملا براہوی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے غزل کے مزاج کو صحیح معنوں میں نہ صرف سمجھا ہے بلکہ اسے اپنے تخلیقی مزاج سے ہم آہنگ کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ البتہ زمینی حوالے جو بلوچستان میں اردو غزل کا اختصاص ہے ان کی غزل میں بڑی حد تک مفقود ہیں۔ یہ غزل کسی مخصوص جغرافیے کے پینوراما کی پیش کار نہیں۔ جس کی وجہ ایک تو اس خطے میں اردو غزل کی عدم موجودگی ہے اور دوسرا، ان کا تخلیقی مزاج۔ ان کا تخلیقی مزاج فکر کی جانب زیادہ راغب نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری انسان کے باطن میں سفر کرتے ہوئے کسی ایسے جوہر کی تلاش میں سرگرم نظر آتی ہے جسے انسان کی وہ قوت قرار دیا جا سکے جس میں تسخیر کی صلاحیت بھی ہو اور تعمیر کا حوصلہ بھی۔ ان کے نزدیک کائنات کے مقابل انسان کے باقی رہنے کے لیے اس جوہر کی تلاش لازم ہے شاید اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مثالی شخصیت ان کے غزلیہ آہنگ میں تحلیل ہو کر اس جوہر کی تجسیم بن گئی ہے:

نگہ کر مری شرم، شاہ نجف
ترے ہات سیں ہے جو میرا شرف
شہنشاہ عالم توئی یا علیؓ
ترے باج آوے گا از ہر طرف
جہاں میں شجاعت ترا کام ہے
مجھے دے وہ تیغ عدو کش بکف

اگر صاحبِ مال ہے دشنم
تو کر خرمنِ دشنم را تلف
دیو و مال و اقبال و گنجینہ ام
کہو مجھ کو از لب کہ ہو لاتحف(۴)

ملا براہوی کی شاعری فکری زاویوں سے خاصی مختلف نظر آتی ہے۔ انہوں نے کسی فلسفہء حیات یا زمان و مکان کے تصورات کو شعری قالب میں ڈھال کر پیش نہیں کیا ہے اور نہ انسانی ذات کی وجودی تعبیرات کی گہری تفہیم پر مبنی کوئی بصیرت افروز فکر پیش کی ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ انہوں نے انسان کو خوب صورت محسوس کیا ہے اور ظاہر کے ساتھ اس خوب صورتی کو انسان کے باطن میں بھی مضمر پایا ہے۔ ان کے نزدیک صرف اچھی شکل و صورت اور واضح خدوخال ہی خوب صورتی نہیں بل کہ حسن عمل اور اخلاق کی خوبصورتی بھی انسان کی دل کشی کا باعث ہے۔ ان کی شاعری کے سنجیدہ مطالعے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ان کے نزدیک اعلیٰ انسانی اوصاف کے بغیر حسن کا کوئی تصور پایہء تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا وہ کسی ایسے حسن سے متاثر نہیں ہوتے جو ذات کی گہرائیوں سے طلوع نہیں ہوتا۔ یوں لگتا ہے کہ وہ حسن کو بصارت کی قوت سے نہیں بل کہ بصیرت کی قوت سے دیکھنا چاہتے ہیں اور اسی قوت کو تصور جمال کے قیام میں معیار سمجھتے ہیں ان کی شاعری سے گہری فکر کے جو پہلو ابھرتے ہیں وہ بڑی حد تک ان ہی موضوعات کے گرد گھومتے ہیں۔ اسی لیے یہ شاعری کسی کی تقلید معلوم نہیں ہوتی بل کہ فکری اعتبار سے اپنی جداگانہ شناخت قائم کرتی ہے۔ ان کی شاعری کے فکری پہلو کو تصور جمال کے باطنی رخ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے:

پیچ و پیچ و خم بہ خم صد حلقہ زلف یار ہے
قید ہے، تارِ رسن ہے، رشتہ ہے زنار ہے
یہ کجی تیرے بھووں کی دیکھ کر عالم کہا
قوس ہے، مہ ہے، کماں ہے، تیغِ جوہر دار ہے
تیرے لب پر جس کے لب نے لب رکھا، کہنے لگا
شہد ہے، شکر ہے، شیریں ہے، شکر گفتار ہے
نیشِ مژگاں کو ترے میں اے پری رو کیا کہوں
تیر ہے، نوک سناں ہے، ناوکِ خوں خوار ہے
دے حسن کے ہاتھ میں جو ہے تمہارے ہاتھ پر
جام ہے ، مینا ہے ، جاناں شیشہ ہے ، سرشار ہے(۵)

ملا براہوی نے اردو غزل کو اپنی جداگانہ فکر سے آشنا ضرور کیا ہے۔ مگر فنی حوالوں سے ان کی شاعری اردو کلاسیکی شاعری کی روایت سے کوئی غیر معمولی اختلاف ظاہر نہیں کرتی۔ ان کی شاعری کی لسانی دروبست یہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس شاعر کا فن پوری طرح اردو غزل کی روایت سے مستعار ہے۔ ان کے کلام کے مطالعے سے یہ احساس قوی ہوتا ہے کہ اس شاعر

نے اردو کے ساتھ فارسی غزل کے سرمائے کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اور اس سے اپنے مزاج کے مطابق استفادہ کیا ہے۔ ایرانی فضا ان کی غزل میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے ان کا فکری نظام منفرد خصائص کا حامل صحیح مگر اس کی پیش کش میں وہ روایت سے روگردانی نہیں کرتے۔ استعارہ سازی، تراکیب و مرکبات نیز تشبیہ و پیکر تراشی کے استعمال میں ان کی اختراعات بہت قلیل ہیں۔ انہوں نے بیش تر انتخاب سے کام لیا ہے لیکن اس عمل انتخاب میں اپنی انفرادیت کے اثبات کی کوشش ضرور کی ہے۔ تاہم ان کی شاعری سے یہ اندازہ بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا فنی شعور ناپختہ نہیں تھا کیوں کہ انہوں نے فن و اظہار کے جتنے بھی وسائل استعمال کیے ہیں وہ سب ان کی شعری شخصیت کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ اردو اور فارسی شاعری کی روایت سے عدم آگاہی رکھنے والا کوئی شخص اگر ان کی شاعری پڑھے تو اسے یہ اندازہ نہیں ہو گا کہ ان کی شاعری کسی بھی اعتبار سے مستعار یا عمل انتخاب کا نتیجہ ہے۔ تاہم دانیال طریر کا مندرجہ ذیل اقتباس ملا صاحب کی فنی حدود کا مکمل احاطہ کرتا ہے وہ رقم طراز ہیں:

> "ایک بھرپور شعری روایت کی عدم موجودگی میں چار پانچ شعری ہیئتوں کو اختیار کرنا، مشکل تر زمینوں میں شعر کہنا، اسمیہ ردائف کے ذریعے غزل میں غزل مسلسل کا وصف پیدا کر دینا، حرفی، لفظی اور مرکبات اضافی کی تکرار کے ذریعے شعر کو اسلوبی آہنگ سے قریں تر کرنے کی کامیاب کوشش کرنا، تشبیہ، پیکر اور استعارے کا استعمال کرتے ہوئے سادگی سے پیچیدگی کی طرف متوجہ ہونا، دو لفظی مرکبات اضافی سے آگے بڑھ کر سہ لفظی اور چہار لفظی مرکبات اضافی کو رواج دینا، اپنے نقطہ نظر کو شعری قالب میں ڈھالنے کی جانب پیش قدمی کرنا اور حدود شاعری کے اندر رہنا، ملا محمد حسن کے وہ اوصاف نمایاں ہیں جو اسے نہ صرف بلوچستان بل کہ مجموعی اردو کلاسیکی شعری روایت کا حصہ ثابت کرتے ہیں۔"(۶)

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملا محمد حسن براہوی بلوچستان میں اردو غزل کی ابتدا کے ساتھ فرد واحد پر مشتمل ایک مکمل دور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے غزل کی جامع الصفات صنف کو مکمل طور پر متعارف کروانے کے ساتھ ایک ایسا حقیقی، تخلیقی ذہن بھی عطا کیا ہے جس میں بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے اس صنف کے ارتقا کے تمام تر امکانات جلی طور پر موجود ہیں۔

ملا محمد حسن براہوی کے بعد بلوچستان میں اردو غزل کا دوسرا اہم پڑاؤ "قندیل خیال" ہے۔ لورالائی کی زرخیز ادبی زمین سے جاری ہونے والے اس گلدستے نے ملا صاحب کے بعد پیدا ہونے والے تخلیقی سکوت کو ختم کرتے ہوئے تخلیقی اظہار کے سلسلے کو از سر نو زندہ کیا اور وہ دوام بھی بخشا جس کا فیض آج تک جاری ہے۔ ڈاکٹر فاروق احمد نے قلم بند کیا ہے:

> "بیسویں صدی کی دوسری دہائی ۱۹۱۱ء میں لورالائی میں مشاعروں کا آغاز ہوا۔ سردار محمد یوسف خان پوپلزئی نے ادب اور مشاعروں کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا اور انہوں نے ایک ادبی تنظیم "بزم ادب" قائم کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک رسالہ نکالا اور مشاعروں کا باقاعدہ اہتمام کیا ان مشاعروں میں بیش تر اہم اور معتبر شعرا شرکت کرتے تھے۔"(۷)

لورالائی میں بلوچستان کی اردو شاعری کو نئی زندگی عطا کرنے میں سب سے اہم اور فعال کردار سردار محمد خان یوسف پو پلزئی (۱۸۶۳ء-۱۹۲۶ء) کا ہے۔ انہوں نے بہ یک وقت تین مختلف اور انتہائی اہم سطحوں پر ادب کی خدمت سر انجام دی۔ جن میں ادبی ادارے "بزم ادب" کا قیام، ماہانہ طرحی مشاعروں آغاز اور ماہ نامہ گل دستے "قندیل خیال" کی اشاعت شامل ہے۔ یہ تینوں کام اتنے اہم اور بنیادی تھے کہ ان کے ذریعے بلوچستان میں اردو ادب کی ایک توانا اور مستحکم بنیاد قائم ہوئی، جس کا تسلسل آج تک جاری ہے۔ تاہم ان انتہائی اہم سرگرمیوں میں فتح چند نسیم نے یوسف پو پلزئی کے شانہ بہ شانہ خدمات سر انجام دی جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ لورالائی کی یہ ادبی روایات اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس کا جغرافیائی اور مذہبی دائرہ محدود نہیں تھا۔ جس سے یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ ادب کی حقیقی روح سے پوری طرح آشنا تھے اور اپنے زمانے کے روشن فکر اور کشادہ نظر ادیب اور دانش ور تھے۔ ان شعرا میں جو معتبر اور نام ور لکھنے والے شامل ہیں۔ ان کے نام انعام الحق کوثر نے حسب ذیل پیش کیے ہیں:

> "بلوچستان میں ۱۹۱۱ء کے لگ بھگ لورالائی میں مشاعروں کا آغاز ہوا۔ ان مشاعروں میں شرکت والوں کے نام یہ ہیں۔ سردار محمد یوسف خان پو پلزئی، مولوی عبد الحنان احقر، عنایت اللہ ایاغ، خان بہادر نبی بخش خان اسد، چراغ الدین چراغ، محمود خان محمود، نانک سنگھ نانک، فتح چند نسیم، عابد شاہ عابد، عنایت علی عنایت، ہر کرن داس ہر کرن، پنڈت جیون سنگھ مسکین، شیخ عبد الحق وغیرہ۔"(۸)

ان تمام شعرا نے لورالائی کو ایک ادبی مرکز اور "قندیل خیال" کو ایک ادبی تحریک کے طور پر متعارف کرانے میں سرگرم کردار ادا کیا۔ یقیناً اس زمانے میں "بزم ادب" کے زیر اہتمام مختلف ادبی سرگرمیاں انعقاد پذیر ہوتی ہوں گی اور ادبی طور پر یہ زمانہ خاصہ متحرک رہا ہو گا مگر بہت سے حقائق موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس زمانے کی حقیقی ادبی صورت حال ہمارے سامنے نہیں ہے۔ تاہم ایک ادبی ادارے کا قیام، طرحی مشاعروں کا انعقاد اور ایک گلدستے کی اشاعت وہ اشارے ضرور ہیں جن سے اس زمانے کی ادبی فعالیت ثابت ہوتی ہے۔

غزل کے تناظر میں "قندیل خیال" کا مطالعہ کسی غیر معمولی حیرت میں مبتلا نہیں کرتا۔ بل کہ تاریخی طور پر ملا محمد حسن کے تخلیقی سفر سے گزرتے ہوئے "قندیل خیال" کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں موجود شعرا اپنا کوئی ممتاز نقش قائم کرنے میں کام یاب نظر نہیں آتے۔ طرحی مشاعروں کا یہ سلسلہ اول تو آزاد تخلیقی عمل ہی کے منافی ٹھہرتا ہے اس لیے وہ تمام امکانات جو آزاد تخلیقی عمل کی دین ہوا کرتے ہیں اس دور کی غزلوں میں عدم دست یاب ہیں۔ دیگر حوالوں سے بھی یہ غزل زیادہ متاثر کن محسوس نہیں ہوتی البتہ سردار محمد یوسف خان پو پلزئی اور سید عابد شاہ عابد کی غزل میں فنی دست رس اور ہم عصر زندگی کے مسائل کا ادراک اور اظہار باقی شعرا کے مقابلے میں گہرا ضرور نظر آتا ہے۔ ان دونوں شعرا کا کلام "قندیل خیال" کے باقی شعرا کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ دست یاب ہے۔ سید عابد شاہ عابد (۱۸۸۸ء-۱۹۴۹ء) کا کلام "گلزار عابد" ۱۹۱۵ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس طرح وہ بلوچستان کے پہلے صاحب دیوان شاعر ٹھہرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اگر ان دونوں شعرا کے کلام کا تقابلی

مقابلہ کیا جائے تو سردار محمد یوسف خان پو پلزئی کئی حوالوں سے سید عابد شاہ عابد سے بہتر شاعر دکھائی دیتے ہیں۔ آغا ناصر رقم طراز ہیں:

"سردار محمد یوسف کے اشعار دست برد زمانہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکے البتہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اپنی کتاب ''بلوچستان میں اردو'' میں ان کی چند غزلیں نقل کی ہیں ان میں تین غزلیں تو ایک ہی ردیف، قافیے اور بحر میں ہیں اور کسی طرحی مشاعرے کا حاصل معلوم ہوتی ہیں جب کہ ایک غزل اور چند دیگر اشعار ہیں ان اشعار کی تعداد کم سہی لیکن ان سے زیادہ اردو زبان پر ان کی گرفت اور سہولت کے ساتھ شعر کہنے کی استعداد کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔"(۹)

یوسف خان پو پلزئی کی چند دست یاب شعری مثالوں سے بھی یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ وہ شعر گوئی کی بھر پور صلاحیت رکھتے تھے۔ ایک ہی قافیہ ردیف میں موجود ان کی تین غزلیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان میں محدود قوافی و ردیف کے باوجود مضمون آفرینی کی صلاحیت موجود تھی۔ وہ ایک بحر میں بہت سے شعر کہہ سکتے تھے، نئے نئے قوافی کا استعمال، ان کے فنی شعور کی پختگی کی دلیل ہے۔ جس سے یہ اندازہ بھی بہ خوبی کیا جا سکتا ہے کہ انھیں اردو زبان سے زیادہ لگاؤ تھا۔ وہ نئے نئے الفاظ سیکھنے کا شغف رکھتے تھے، بل کہ ان الفاظ کے استعمال سے اپنی شعری لغت میں اضافے کی صلاحیت سے بھی بہرہ مند تھے۔ یہ تمام خوبیاں انہیں اپنے معاصرین میں ممتاز کرتی ہیں:

عداوت ڈال دی دنیا نے کیسی کالے گوروں میں
کہ ارباب مروت آج کل رہتے ہیں شوروں میں
ہماری خوبیٔ قسمت کے لچھن ہی نرالے ہیں
خدا کی شان پانی تھم رہا الٹے کٹوروں میں
ہو اوردِ زباں ہے نامِ حق جس دن سے اب یوسف
ہے تسبیح مرصع اپنی ہر انگلی کے پوروں میں(۱۰)
خدا کی نعمتوں کا شکر ہو کیا کیا ادا مجھ سے
دیا ادنیٰ سے اعلیٰ تک، دیا زردہ تنجن تک
مجھے کیوں روکتا ہے، ایک عالم اس پہ شیدا ہے
پڑھا کرتے ہیں کلمہ اس کا مومن سے برہمن تک
خدایا آبرو یوسف کی رکھ لے اس زمانے میں
اسے اب تاکتی بھنگن سے لے کر ہے فرنگن تک(۱۱)

سردار محمد یوسف خان پو پلزئی کا ہم سر نہ ہونے کے باوجود سید عابد شاہ عابد اس زمانے کا صاحب دیوان اور انتہائی اہم شاعر ہے۔ ان کا پہلا امتیاز تو یہی ہے کہ وہ اپنے زمانے کے شاعروں میں سے صاحب دیوان ہیں۔ اور ان کی سب سے زیادہ غزلیں

ہمیں مطالعے کے لیے دست یاب ہو سکی ہیں۔کلام کی اس کثرت کی وجہ سے ان کے فکر و فن کے پہلو بھی بڑھ گئے ہیں اور ان کے شعری مضامین دیگر معاصرین کے مقابلے میں وسعت بھی اختیار کر گئے ہیں۔ جس سے ان کے کلام کی ثروت مندی میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ مگر زبان کی سطح پر ان کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کا ذخیرہ الفاظ خاصا محدود ہے اور الفاظ کا وہ ماہرانہ استعمال بھی ان کے ہاں مفقود ہے جو یوسف پوپلزئی کا خاصا ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کے رنگ سخن میں کچھ ایسے امتیازی پہلو ضرور شامل ہیں جو انہیں اس دور میں منفرد بناتے ہیں:

اتنی دوری پہ ہے دلدار کہ جا بھی نہ سکوں
گر مصیبت میں پھنسے اس کو بچا بھی نہ سکوں
لے گیا ہائے دل و دین کو غارت کر کے
اور مجبور ہوں ایسا اسے لا بھی نہ سکوں
عابدا یار بلا کر مجھے آغوش میں لے
ایسا پھولوں میں خوشی سے کہ سما بھی نہ سکوں (۱۲)
زلف کے نیچے کمر ہے جان لچکائی ہوئی
اف تیری ظالم جوانی جوش پر آئی ہوئی
چاند مکھڑا چشم نرگس تیر مژگاں کے سوا
خالِ ہند و لعلِ لب پر خوب رعنائی ہوئی
بے قراری انتظاری درد غم سہنے ہیں اب
قیس کے مانند ہے اب مغز چکرائی ہوئی
ڈر کے جانا ڈر کے جانا عابدا ہوگے اسیر
ناز سے انداز سے ہے بال بکھرائی ہوئی (۱۳)

سید عابد شاہ عابد کا یہ امتیاز ظاہر کرتا ہے کہ وہ فکری طور پر ایک توانا اور روشن خیال شاعر تھے۔ ان کی شاعری عصری حقیقتوں سے چشم پوشی نہیں کرتی۔ ان میں انسان سے ہمدردی اور محبت کے جذبات، انسان دوستی کے تصور تک وسیع ہوتے نظر آتے ہیں۔ مگر ایک آزاد تخلیقی عمل میسر نہ ہونے کی وجہ سے ان کی شاعرانہ شخصیت مکمل طور پر نہ ابھر سکی۔ طرحی مصرعوں پر شعر کہنے کی روایت نے انہیں اپنا اسیر و پابند بنا کر ان کے خلاقیت کو محدود کر دیا، جس کی وجہ سے ان کی شاعری کے اتنے اہم اوصاف بھی انہیں کوئی غیر معمولی مقام نہ دلا سکے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور کی غزل نے ملا محمد حسن کی غزل میں اگر کوئی اضافہ کیا ہے تو وہ یہی ہے کہ یہ غزل اپنے ارد گرد موجود زندگی سے بے خبر نہیں ہے اور نہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے صرف انسان کے باطنی جواہر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس غزل نے بہ ہر حال خارج اور باطن کو یک جا کرنے کی کوشش کی

ہے جس سے غزل کا موضوعاتی دائرہ وسیع ہوا ہے اور اس میں بعض ایسی کیفیات کا اظہار بھی دیکھنے میں آیا ہے جو ملا محمد حسن کی غزل میں موجود نہیں۔ ”قندیل خیال“ کی مجموعی شعری فضا سے متعلق دانیال طریر کی یہ رائے قابلِ غور ہے:

"ملا محمد حسن براہوی کی شاعری کی صورت میں بھرپور تخلیقی آغاز کے باوجود ”قندیل خیال“ میں شامل کلام میں موزونیت، تخلیقیت پر کیوں کر غالب آگئی؟ یہ بلوچستان میں اردو شعری تاریخ کا ایک نہایت اہم سوال ہے؟ جسے تاحال قابلِ بحث نہیں سمجھا گیا۔ تخلیقیت کے موزونیت میں بدل جانے کی ایک خاص وجہ تو وہ خلا ہے جو ملا محمد حسن براہوی کی شاعری سے ”قندیل خیال“ میں شامل شاعری کے مابین حائل ہے اگر یہ شعری روایت سلسلہ وار آگے بڑھتی تو یقیناً صورت مختلف ہوتی مگر ہوا یہ کہ شعری تاریخ تسلسل کے بہ جائے انقطاع کے عمل سے گزری لہٰذا ”قندیل خیال“ کو بلوچستان میں اردو شعری روایت کی اگلی منزل کی بہ جائے ایک نیا آغاز تصور کیا جانا چاہیے۔ اس طرح بلوچستان میں اردو شاعری اپنے آغاز میں دو مختلف شعری روایتوں کی حامل ہو گئی جس کے اثرات تاحال بلوچستان کی شاعری میں موجود دکھائی دیتے ہیں ان میں سے ایک شعری روایت کو ”تخلیقیت اساس“ جب کہ دوسری کو ”موزونیت اساس“ قرار دیا جاسکتا ہے۔"(۱۴)

”قندیل خیال“ کی غزل بھی جغرافیائی اعتبار سے سرزمین بلوچستان سے وابستگی و پیوستگی کا کوئی غیر معمولی نمونہ پیش نہیں کرتی۔ تاہم اسی دور سے تخلیقی اظہار نے بلوچستان کو پیش کرنے کی ابتدا ضرور کر دی ہے۔ جسے اس دور کی غزل کا تو نہیں البتہ اس دور کے شعری اظہار کا اختصاص ضرور کہا جاسکتا ہے۔

بلوچستان میں اردو غزل کا تیسرا انتہائی مختصر مگر انتہائی غیر معمولی پڑاؤ ایک مرتبہ پھر فردِ واحد کی تخلیقی صلاحیتوں پر مشتمل ہے۔ ان تخلیقی صلاحیتوں سے پورے طور پر واقف نہ ہونے کے باوجود اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ جو نمونہ کلام دست یاب ہے اس کے تخلیقی عناصر بلوچستان میں قیامِ پاکستان سے قبل کی اردو غزل کے وہ عناصر ہیں جن سے بلوچستان کی جدید اور مابعد جدید غزل سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے۔ یہ غیر معمولی تخلیقی شخصیت (۱۵) عبدالحق زبور (۱۹۰۳ء۔ ۱۹۳۲ء) کی ہے۔ عبدالحق زبور کی اردو غزل اپنی ماقبل اردو غزل سے صورت و معنی ہر دو اعتبار سے خاصی مختلف ہے۔ بل کہ یہ غزل بلوچستان کی وہ پہلی تخلیقی صورت بھی ہے جو مجموعی اردو غزل کے متوازی سفر کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اختر شیرانی کی صحبت میں زبور کی غزل ان تیوروں سے آشنا ہوتی نظر آتی ہے جس کے سلسلے ورڈزورتھ اور کولرج تک سفر کرتے نظر آتے ہیں:

یہ بربادی، یہ ویرانی، یہ خاک وخوں، یہ میرا دل
الٰہی! کیا کروں گا لے کے میں چشمِ جہاں بیں کو
یہ کیا کم ہے جہاں کے رسم و آئیں سے نہ میں بدلا

بدل سکتا نہ تھا گر میں جہاں کے رسم و آئیں کو(۱۶)
حسرتیں دل کی مٹائیں گے کبھی
اک نئی دنیا بسائیں گے کبھی
جس سے لرزش میں ہو ساری کائنات
وہ تمنا لب پہ لائیں گے کبھی(۱۷)

دروبینی کا وہ احساس جو انسان کی داخلی دنیا کو خواب و خیال کی فضا سے ہم آہنگ کرتا ہے اور تمام تر فضا پر خواب کی دھند اور اداسی کی دبیز تہیں بچھاتا ہے وہ احساس قیام پاکستان سے قبل کی اردو غزل میں بلوچستان کی حد تک صرف ان کی غزل میں شامل ہوا ہے۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر زبور سے متعلق قلم بند کرتے ہیں:

"یہی حسرتیں، درد، ہجر، فراق، جدائی اور الفت ان کے ہاں پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں۔ چھوٹی غزلوں میں روانی، نزاکت خیال، ندرت الفاظ اور قدرت بیان جھلکتا ہے۔ ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو محسوس ہوتا ہے کہ سننے والا پہلے ہی سوچ رہا ہو یا محسوس کر رہا ہو۔ یہی چیز ایک فن کار کی عظمت کا ثبوت اور شاعر کی بلندی کی دلیل ہے۔"(۱۸)

عبدالحق زبور کی رومان پرور شاعری غزل کو روایت کی تکرار اور ہم عصر زندگی کی غیر تخلیقی عکاسی کے برعکس وہ لب و لہجہ عطا کرتی ہے جو ذات کے اظہار سے عبارت ہے۔ اس غزل کا قالب انفرادی نقوش سے تخلیق ہوتا ہے۔ شعری زمینوں سے لے کر استعارہ سازی تک ہر مرحلے پر انفرادیت کی چھاپ نظر آتی ہے۔ وہی انفرادیت جو بلوچستان کی جدید اور مابعد جدید نسل کے ہر دوسرے شاعر کا اساسی حوالہ ہے۔ اس اعتبار سے ان کی غزل کو بلوچستان کی جدید اور مابعد جدید غزل کا پیش رو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی زمانے کی غزل کی ایک اور توانا آواز گل محمد خان زیب مگسی (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۳ء) کی ہے۔ پروفیسر سید احتشام شبیر نے لکھا ہے:

"سردار گل محمد زیب مگسی کا شمار بلوچستان کے ان گنے چنے شعرا میں ہوتا ہے جن کی اردو شاعری کا شمار وقت کے مشہور اہل زبان شعرا کے مقابلے میں کیا جا سکتا ہے۔ زیب مگسی کا کلام برصغیر کی مروج تقریباً تمام معروف زبانوں میں یکساں اہمیت کا حامل ہے وہ خود ہفت زبان شاعر تھے اور ہر زبان پر ان کی گرفت غیر معمولی تھی جو کہ ان کی ذہانت اور شعری خداداد صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔"(۱۹)

غزلیہ خصوصیات کے اعتبار سے زیب مگسی کی مثال بڑی حد تک انفرادی تخلیقی جوہر کی بنیاد پر ممتاز نظر آتی ہے۔ جس طرز کی غزل انھوں نے لکھی ہے۔ اس کا کوئی روایتی تسلسل بلوچستان میں نظر نہیں آتا۔ اپنے حقائق کی بناء پر یہ اسلوب آئندہ کی غزل میں بھی تحلیل نہ ہو سکا۔ اس طرز کی غزل کی پہلی اور آخری مثال خود انہی کی ہے۔ یہ غزل اپنے معانی و اسلوب میں ماضی کے سر چشموں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنا فکری نظام تشکیل دیتی ہے۔ تلمیحاتی رنگ اس غزل کی لسانی فضا کی تشکیل تو کرتا ہی ہے

مگر معنوی اعتبار سے بھی یہ تلمیحات اپنا تاریخی تناظر تبدیل نہیں کرتی۔ زیب مگسی کا ذہن تلمیحات میں سوچتا اور تلمیحات میں اظہار کرتا نظر آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر تلمیح تاریخ کی حکمت و دانش کو اپنے اندر سمونے سے عبارت ہوتی ہے اس لیے ان کی غزل فکری اعتبار سے قیام پاکستان سے قبل بلوچستان میں اردو غزل کی سب سے توانا آواز ہے۔ انھوں نے تمام تر تلمیحات کو مکمل تاریخی تناظر کی گرفت کے ساتھ استعمال کیا ہے اور اپنے فکری نظام کو تلمیحات ہی کے ذریعے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاہم یہ ضروری تھا کہ اس تلمیحاتی رنگ کی شاعری کے لیے ان کی غزل کا لب و لہجہ مفرس و معرب طرز اظہار سے قرین ہوتا۔ جس کا انھوں نے پورا پورا خیال رکھا ہے۔ آغا ناصر تحریر کرتے ہیں:

> "عربی اور فارسی زبانوں پر قدرت کامل رکھنے کے باوجود زیب کی اردو غزلیں زبان و بیان کے حوالے سے انتہائی صاف ہیں ان کی اردو میں فارسی کی ایسی آمیزش نہیں جس سے اردو کا رنگ پھیکا پڑے۔ زیب کے کلام کے مطالعے سے ان کے ذخیرہ الفاظ کی وسعت اور عربی، فارسی اور اردو کے گہرے مطالعے کا اندازہ ہوتا ہے زیب کے یہاں قرآنی، روایتی عشقیہ اور فارسی تلمیحات کی فراوانی ہے اور وہ ان تلمیحات کے ذریعے سینکڑوں کہانیاں جن میں پند و نصیحت، عبرت کو اور حقائق اور نتائج ہیں اشعار میں سناتے ہیں۔"[۲۰]

اس قابل ذکر اختصاص کے ساتھ اسمیہ و طویل ردائف جو کہ بلوچستان کے جدید و مابعد جدید غزل میں تسلسل سے پیش کی گئیں ہیں، ابتدائی طور پر توانا تر انداز میں انہی کے ہاں ہی نظر آتی ہیں۔ اس طرح چار حوالوں سے ان کی غزل مابعد غزل کی راہ نمائی کرتی نظر آتی ہے۔ جن میں شاعری کی فکری اساس، تلمیحات کا بہ کثرت استعمال، اسمیہ ردائف اور طویل ردیفوں کا استعمال شامل ہے۔ ان رویوں سے ان کے معاصرین اور فوری بعد کے شاعر زیادہ متاثر نظر نہیں آتے۔ البتہ تلمیحات کے استعمال کے علاوہ دیگر رجحانات سے قیام پاکستان کے بعد کی غزل نے خصوصی استفادہ کیا ہے:

بڑھاتے ہیں بخدا بہت حسن کی رونق
یہ جو لٹکتے ہیں جاناں کو تا کمر تعویذ
لگے مبادا نظر تجھ کو بد نگاہوں کی
گلے میں ڈالو بدفع شر نظر تعویذ
نہ سحر چلتا ہے اس پر ،نہ ورد نے جادو
نہ اس کے قلب پہ کرتا ہے کچھ اثر تعویذ[۲۱]

ایک اور پہلو جو زیب مگسی کی غزل کو قابل توجہ بناتا ہے وہ ثقیل الفاظ کا استعمال ہے، جو لطیف احساسات کی حامل اس صنف میں کثافت کی تھوڑی بہت مقدار کو شامل کر دیتی ہے۔ تاہم یہ رویہ ان کی غزل میں پوری طرح تحلیل نہ ہونے کہ وجہ سے معیوب نظر آتا ہے۔ حالاں کہ بیسویں کے آواخر اور اکیسویں صدی کے آغاز میں ثقیل الفاظ غزل میں شامل ہوتے رہے

ہیں لیکن چوں کہ یہ الفاظ اپنے زمانے کی تلخی اور شاعروں کے اسلوب میں پوری طرح تحلیل نظر آتے ہیں اس لیے اجنبیت کا ویسا احساس نہیں دلاتے جیسا کہ ان کی غزل سے ظاہر ہوتا ہے۔

زیب مگسی کے بعد بلوچستان کی اردو غزل ایک نئی کروٹ لیتی ہے جو غزل کا رخ اپنے زمانے کی طرف موڑتے ہوئے تخلیقی تجربے کو شعوری تجربے میں بدل دیتی ہے اور شعری اظہار کے ذریعہ معاشرے کی سمت نمائی کے فرائض انجام دینے لگتی ہے۔ اس دور کی غزل جس کی صورت پذیری میں یوسف عزیز مگسی (۱۹۰۱ء۔۱۹۳۵ء)، محمد حسین عنقا (۱۹۰۷ء۔۱۹۷۷ء) اور گل خان نصیر (۱۹۱۴ء۔۱۹۸۳ء) بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، نظم کے قریب تر ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ غزل کے اشعار میں سیاسی مؤقف شامل ہونے لگتا ہے، زمانے کے اہم واقعات کا عکس غزل کے آئینے میں نظر آتا ہے، بلند آہنگی سے لے کر نعرہ بازی تک کے مزاحمتی رویے غزل کا نمائندہ رجحان بن جاتے ہیں اور غزل سیاسی نظریے کے ابلاغ و اشاعت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ بہ قول ڈاکٹر علی کمیل قزلباش:

> "اس کے بعد کا دور سیاسی ابتری کا دور ہے ہمارے شعرا اپنی زبانوں کے علاوہ اردو میں بھی مزاحمتی رنگ کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں جب کہ اس کے ساتھ برصغیر پر اقبال کا اثر اس قدر مکمل ہے کہ کوئی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ لہذا ہمارے مزاحمتی شاعر بھی اقبال سے متاثر ہوتے ہیں جن میں ہم میر یوسف عزیز مگسی، میر گل خان نصیر اور محمد حسین عنقا کے نام گنوا سکتے ہیں۔ ان کے ہاں فنی کمزوریاں تو مل سکتی ہیں لیکن فکری حوالے سے جرأت اور غلامی کی فضا سے آزادی کی آواز ایک ایسے وقت میں اٹھاتے ہیں جہاں سردار بھی خدا ہے اور سرکار بھی۔"(۲۲)

در حقیقت یوسف عزیز، عنقا اور گل خان نصیر تینوں بنیادی طور پر غزل کے نہیں نظم کے شاعر تھے لہذا غزلیہ اظہار ہیئت کی حد تک تو ان کی نظموں سے مختلف ہے مگر تجربے اور صورت و معانی کے اعتبار سے ان کی غزل، ان کی نظم سے زیادہ مختلف نہیں۔ بہ ظاہر یہ بات غزل کی روایت سے عدم آگاہی ظاہر کرتے ہوئے عیب نظر آتی ہے لیکن یہ عیب وسیع تر زمانی تناظر میں خوبی بن کر سامنے آیا۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ حالی نے غزل کو ایک نئی صورت دینے کا تجربہ کر کے اسے، اس کی روایت سے علیحدہ کر دیا تھا، مگر ذاتی سطح پر ان کا یہ ناکام تجربہ مستقبل کی غزل کو نئے نئے پہلوؤں سے آباد و وسیع کر گیا۔ یوسف عزیز مگسی، گل خان نصیر اور محمد حسین عنقا کی شاعری بڑی حد تک مشترکہ مقاصد اور ہم آہنگ لہجوں کی شاعری ہے:

میں پھر انداز نو سے نغمۂ حب وطن گا کر
سکوت انداز تار اسلام کے بجوا کے چھوڑوں گا
سبق دے کر اخوت کا شجاعت کا محبت کا میں پھر بگڑی
بلوچستان کی بنوا کے چھوڑوں گا(۲۳)
ہوئی حق کی خلافت تم کو عطا، مایوس نہ ہو اٹھ ہمت کر

پھر نعرہ باطل سوز سے تو دنیا کو جگا، اٹھ ہمت کر
اک ہاتھ میں نیزہ ایوبی، اک ہاتھ میں سیف ہو خالد کی
مشرق بھی ترا، مغرب بھی ترا، اللہ کے لیے اٹھ ہمت کر
یوسف عزیز مگسی(۲۴)

عدووٴں میں ہے یہ گفت و شنید آج
کہ مرتا ہے "بلوچستان جدید" آج
بلوچستان کے خود غرض سردار
سنیں آزاد ہونے کی نوید آج
یہ ظالم کہتے ہیں اک دوسرے سے
کہ آوٴ سب مل کر منائیں عید آج
محمد حسین عنقا(۲۵)

رہیں گے ہم گرفتارِ بلائے آسماں کب تک
جلائیں گی ہماری جھونپڑی کو بجلیاں کب تک
میسر ہوں انہیں دیبا کی اور اطلس کی پوشاکیں
لگائیں چیتھڑوں پر سوت کی ہم دھجیاں کب تک
رہائش کے لیے ان کی، بنے ہوں قصر جمشیدی
ہماری تیرہ بختی کے لیے ہوں جھگیاں کب تک
اٹھو اے نوجوانو! اب عمل کا وقت آیاہے
یہ طفلانی تسلی اور یہ آہ و فغاں کب تک
گل خان نصیر(۲۶)

ان دونوں کے مقابل یوسف عزیز مگسی کو بعض حوالوں سے منفرد تصور کیا جاسکتاہے۔یوسف عزیز مگسی کی شاعری بلند آہنگی اور مزاحمت کے علاوہ ایک ایسا اسلوب بھی اختیار کرتی نظر آتی ہے جس میں اسلامی اور اسلامی فکر کے ماخذات کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے،اس کی وجہ اقبال اور اس زمانے کے دیگر قومی و ملی شاعروں کا اثر بھی ہو سکتی ہے۔اس کا اظہار اس زمین ہائے شعر کا ان لفظیات و استعارات سے بھی ہوتا ہے، جو یوسف عزیز نے اقبال کی پیروی میں اختیار کی ہیں۔اس اعتبار سے ان کا فکری تناظر اور جغرافیائی علاقہ بھی گل خان نصیر اور عنقا سے وسیع ہو جاتا ہے۔اور اسلامی رنگ نیز پیروی اقبال کے حوالے بھی یوسف عزیز کو اس شعری روایت کا پیش رو بنا دیتے ہیں، جو قیام پاکستان کے بعد آغا صادق حسین نقوی کے ذریعے مستحکم نظر آتے ہیں اور تقلید اقبال بلوچستان کی غزلیہ روایت کا ایک اہم رجحان بن کر سامنے آتا ہے۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے لکھا ہے:

"یوسف عزیز نے جہاں اپنی دوسری گوناگوں صلاحیتوں کو ملی اور قومی بیداری و ترقی کے لیے وقف کر رکھا تھا وہاں انہوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بھی اسی عظیم مقصد کے حصول کے لیے استعمال کیا چناں چہ انتظار حسین کا یہ کہنا بر محل ہے کہ یوسف علی عزیز کی شاعری کے ذریعے ہم بلوچستان کے سیاسی شعور کا اس وقت کے ہندوستان کے اس شعور سے رشتہ پیوست ہوتے دیکھتے ہیں جس کا اردو میں علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خان اور دوسرے ان گنت چھوٹے بڑے شاعروں کے واسطے سے اظہار ہو رہا تھا اور جس کی بنا پر اردو ہندوستان کی تحریک آزادی اور آگے چل کر تحریک پاکستان کی زبان بن گئی۔"(۲۷)

یوسف عزیز مگسی کی شاعری کے انفرادی رنگوں کے علاوہ دیگر خصائص گل خان نصیر اور محمد حسین عنقا کے ہاں بھی دست یاب ہیں۔ تاہم انفرادی حوالوں سے ان کی غزل کوئی گہرا نقش قائم نہیں کرتی۔ گل خان نصیر اپنے موسیقانہ مزاج کی وجہ سے غزل کو ایک مترنم مزاحمتی نغمہ بنا کر پیش کرتے ہیں، جب کہ عنقا افکار و احساسات کو شعر کا قالب عطا کرنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ مجموعی طور پر محمد حسین عنقا اور گل خان نصیر کی غزل ان کی ذاتی کاوشوں کی حد تک کوئی ہمہ گیر تجربہ ثابت نہیں ہوئی ۔ تاہم ان تینوں شاعروں کی پیروی سے غزل گو شاعروں نے مزاحمتی رویہ، بلند آہنگی، راست گوئی، براہ راست پیرایہ اظہار، طنز کی کاٹ اور سیاسی مؤقف کی پیش کش جیسے پہلو کشید کیے، جن کی پیش روی کا اعزاز بھی بہ ہر حال ان شاعروں کو حاصل ہے۔

ان نمائندہ شاعروں کے علاوہ قیام پاکستان سے قبل بہت سے دوسرے غزل گو شاعر بھی تخلیق سرگرمی میں مصروف نظر آتے ہیں۔ جن میں محمد حسن نظامی، نسیم تلوی، اسلم اچکزئی، سید غلام علی الماس، ناشط صدیقی، صبا بلوچستانی، بشیر احمد صمصام، محمد صادق خان شاذ، نثار احمد محشر رسول نگری، مطیع الرحمٰن مطیع دہلوی، شورش اجمیری، برق گوالیاری، راجپال صحرائی، غلام محمد جمیل، وزیر زادہ عبد الاحد خان، راجہ عبد الطیف کلیم، عبد الرحمن غور، نیاز الدین حسن وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ ان شعرا میں محمد صادق شاذ کا اختصاص یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۲۷ء میں "بزم ادب" قائم کی۔ اس بزم کے زیر اہتمام ماہانہ مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ محشر رسول نگری بھی اس تنظیم کے سرگرم رکن تھے۔ اس تنظیم کے زیر اہتمام ہونے والے مشاعروں میں مقامی شعرا کے ساتھ ساتھ غیر مقامی شعرا بھی کثیر تعداد میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس تنظیم نے یہاں کی ادبی سرگرمیوں کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مگر متذکرہ بالا تمام شعرا کی غزل کوئی قابل ذکر امتیازی وصف پیش کرنے میں کام یاب نہیں ہوئی۔ الغرض بلوچستان میں اردو غزل کے یہ ابتدائی آثار مشقی صورتوں سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، یہ تخلیقیت کا کوئی اعلیٰ نمونہ پیش کرنے سے زیادہ تر قاصر رہے ہیں البتہ مجموعی طور پر یہ غزل بلوچستان میں اردو غزل کی روایت کو مستحکم بنانے میں کارگر ضرور نظر آتے ہیں۔ اس ابتدائی سرمایے کے زیر اثر غزل میں مختلف تجربوں کا اضافہ، قافیہ و ردیف کا ذخیرہ، پرانے مضامین میں نئے زاویے پیدا کرنے کا عمل، روایت سے تشبیہ و استعارے منتخب کر کے انہیں استعمال کرنے کا رجحان، ترکیب سازی، مرکبات اور روایتی تلازمات سے استفادہ نیز بہ طور خاص صنعتوں کے استعمال کا ہنر اس غزل کے وہ کارہائے نمایاں ہیں

جس سے بلوچستان میں اس صنف کے ذخیرے میں اضافہ ہوا ہے اور بعد میں آنے والے شاعروں کے لیے وہ زمین ہموار ہوئی جس پر چل کر وہ نئی، اچھوتی اور منفرد منزلیں سر کر سکتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ملا محمد حسن براہوی اٹھارویں کے ربع آخر میں قلات میں پیدا ہوئے۔ ان کو اردو کے علاوہ فارسی اور بلوچی میں بھی ہزاروں اشعار کا خالق بتایا جاتا ہے۔ ان کا اردو کلام ۱۸۴۷ء میں ترتیب دیا جا چکا تھا۔ جب کہ موجودہ کلیات کو ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے مرتب کر کے ۱۹۷۶ء میں مجلس ترقی ادب کے زیر اثر شائع کیا۔ گل خان نصیر نے ''تاریخ بلوچستان'' میں ان کو ایک متنازعہ سیاسی شخصیت بتایا ہے۔

۲۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، کلیات محمد حسن براہوی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۲

۳۔ فاروق احمد، ڈاکٹر، اردو ادب، مشمولہ، بیسویں صدی میں بلوچستان کا ادب، مرتب: افضل مراد، قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ، کوئٹہ، ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۷۔۱۸

۴۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، مرتب، کلیات محمد حسن براہوی، سیرت اکادمی بلوچستان، کوئٹہ، طبع دوم ۱۹۹۷ء، ص ۸۲

۵۔ ایضاً، ص ۶۴

۶۔ دانیال طریر، بلوچستانی شعریات کی تلاش، پائلٹ ایجوکیشنل، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۸

۷۔ فاروق احمد، ڈاکٹر، بلوچستان میں اردو زبان و ادب، قلات پریس، کوئٹہ، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰

۸۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں اردو، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۱۷۳

۹۔ محمد ناصر، آغا، بلوچستان میں اردو شاعری، کوژک پبلیشرز، کوئٹہ، ۲۰۰۰ء، ص ۵۵

۱۰۔ ایضاً، بلوچستان میں اردو، ص ۱۸۹

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۵، ۱۸۳

۱۲۔ عابد شاہ عابد، سید، گلزار عابد، سیرت اکادمی بلوچستان، کوئٹہ، بار دوم ۲۰۰۰ء، ص ۲۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۷۔۳۸

۱۴۔ دانیال طریر، ایضاً، ص ۲۰

۱۵۔ عبدالحق زبور بہترین صلاحیتوں کا مالک نوجوان تھا لیکن بدقسمتی سے صرف ستائیس برس کی عمر میں اس نے خودکشی کر لی۔

۱۶۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان چند پہلو، ادارہ تصنیف و تحقیق بلوچستان، کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۶۳

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۳

۱۸۔ ایضاً، ص ۶۳

۱۹۔ احتشام شبیر، سید، پروفیسر، شاعر ہفت زباں۔ زیب مگسی، مشمولہ، جواز، کوئٹہ، جلد نمبر ۱، شمارہ ۱۰۔۹، سپنزر پرنٹر کوئٹہ، اگست۔ ستمبر ۲۰۰۷ء، ص ۴۶

۲۰۔ محمد ناصر، آغا، ایضاً، ص ۶۲

۲۱۔ ایضاً، ص ۶۸

۲۲۔ علی کمیل قزلباش، ڈاکٹر، رگ تاک، قلات پبلیشرز، کوئٹہ، ۲۰۱۰ء، ص ۱۷

۲۳۔ محمد ناصر، آغا، ایضاً، ص ۸۷

۲۴۔ ایضاً، ص ۸۷

۲۵۔ محمد حسین عنقا، رحیل کوہ، یونائیٹڈ پرنٹرز، کوئٹہ، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۴

۲۶۔ گل خان نصیر، میر، کارواں کے ساتھ، مہردر انسٹیٹوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشن، کوئٹہ، ۲۰۱۱ء، ص ۴۵۔۴۶

۲۷۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، نقوش بلوچستان، ادارہ تصنیف و تحقیق بلوچستان، کوئٹہ، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۶

References in Roman Script:

1. Mullah Muhammad Hasan Brahui Atharwien saddi kay raba'a aakhir main Qalat main paida howay.In ko Urdu kay ilawa Farsi aur Baluchi main bhi hazaron aasha'ar ka Khaliq bataya jata ha. In ka Urdu kalam 1847 main tarteeb diya ja chuka tha jub ke maujooda kulyaat ko Doctor Inam Ul Haq Kausar nay muratb kar kay 1976 main Majlis Taraqi Adab kay ziar e asar shaya'a kiya .Gul Khan Naseer nay "Tareekh E Baluchistan" main in ko aik mutanazia'a siyasi shakhsiyat bataya hai.
2. Inam-ul-Haq Kausar, Dr., Kuliat Muhammad Hasan Brahvi (Majlis Tarqi adab, Lahore, 1976), P2.
3. Farooq Ahmad, Dr, Beeswien saddi main Baluchan ka Urdu adab, Muratab: Afzal Murad, (Qalam Qabeela AdabiTrust, Quetta, 2000), P17-18.
4. Inam-ul-Haq Kausar, Dr., Mutatab, Kuliat E Muhammad Hasan Brahvi (Sirat Akademi Balochistan, Quetta, Doosra Edition, 1997), P 82.
5. Ibid, P 64.
6. Daniyal Tareer, Baluchistani Shaira'at ki Talaash (Pilot Educational, Lahore, 2009), P18.
7. Farooq Ahmed, Dr.,Baluchitan main Urdu Zuban O Adab (Qalat Press, Quetta, 1998), P 10.
8. Inam-ul-Haq Kausar, Dr.,Baluchistan main Urdu (Muqtadara Quomi Zuban, Islamabad, 1994),P 173.
9. Muhammad Nasir, Agha, Baluchistan main Urdu Shairi (Kozhak Publishers, Quetta ,P 55.
10. Ibid, Urdu in Baluchistan, P 189.
11. Ibid P 183-185.

12. Abid Shah Abid, Syed, Gulzar Abid (Serat Akademi Balochistan, Quetta, doosra edition, 2000), P 27.
13. Ibid P 37.38.
14. Daniyal Tareer, Ibid P 20.
15. Abdul Haq Zaboor Bahtareen salahiyaton ka malik naujawan tha lakn bad qismati say sataies bara ski umer main as nay khud kushi kar li.
16. Inam-ul-Haq Kausar, Dr., Balochistan Chand Pehlu (Idara Tasneef O Tahqeeq Balochistan , Quetta, 2005), P 63.
17. Ibid P 63.
18. Ibid P 63.
19. Ehtesham Shabbir, Syed, Professor, Sha'air Haft Zaban. Zeib Magsi, Mashmula, Jawaz, Quetta, Jilad No. 1, Shumara No. 9-10, (Spencer Printer Quetta, August-September 2007), P 46.
20. Muhammad Nasir, Agha Ibid P 62.
21. Ibid P 68.
22. Ali Kumil Qazalbash, Dr., Raag E Taak (Qalat Publishers, Quetta, 2010), P 17.
23. Muhammad Nasir, Agha Ibid P 87.
24. Ibid P 87.
25. Mohammad Hussain Anqa, Raheel E Koh (United Printers, Quetta, 2006), P 104.
26. Gul Khan Naseer, Mir, Caravan kay Sath (Mehr dar Institute of Research and Publication, Quetta, 2011), P 46-45.
27. Inam-ul-Haq Kausar, Dr., Naqoosh E Balochistan ((Idara Tasneef O Tahqeeq Balochistan Quetta,2005), P 156